زرعی یونیورسٹی فیصل آباد



زراعت

وسائل، مسائل اور مستقبل

(ایک جامع جائزہ)

فکرونظر: پروفیسر ڈاکٹر اقرار احمد خاں (ستارہِ امتیاز) وائس چانسلر، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

مترجم: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر صدیقی، چیئرمین شعبہ فارسٹری، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

دفتر جامعہ کتب رسائل وجرائد، جامعہ زرعیہ فیصل آباد

زرعی یونیورسٹی فیصل آباد



Office of University Books & Magazines (OUBM)

Publisher: **Prof. Dr. Shahzad Maqsood Ahmed Basra**
Editorial Assistance: **Khalid Saleem Khan, Azmat Ali**
Designed by: **Muhammad Asif** (University Artist)
Composed by: **Muhammad Ismail**

Price: Rs. 30/-

زراعت۔وسائل،مسائل اور مستقبل (ایک جامع جائزہ)

فکرونظر: پروفیسرڈاکٹراقراراحمدخاں (ستارہِ امتیاز) وائس چانسلرزرعی یونیورسٹی فیصل آباد

مترجم: پروفیسرڈاکٹرمحمدطاہرصدیقی، چیئرمین شعبہ فارسٹری زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

تلخیص (Summary)

زراعت پاکستان کی بنیادی صنعت کا درجہ رکھتی ہے اسی لیے زراعت کوملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔زرعی پیداوار میں کمی کا براہِ راست اثر ملک کی اقتصادی حالت پر پڑتا ہے جبکہ پیداوار میں اضافے سے غربت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر پاکستان کی زراعت چھوٹے کسانوں پر مشتمل ہے جو پانچ فصلیں اُگاتے ہیں اور کم صلاحیت جانوروں کی بڑی تعداد کو پالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فصلوں اور جانوروں کی پیداواری صلاحیت جمود کا شکار ہے۔پانی کی کمی بڑی حد تک عیاں ہے۔ پیداوار میں جمود کے باوجود ہمارے پاس بنیادی ضروریات وافر مقدار میں ہیں مگر لمحہ فکریہ یہ ہے کہ کسان بمشکل زندگی کی گاڑی کھینچ رہا ہے۔مہنگا اور غیر معیاری بیج، کھاد، ادوّیات وغیرہ نے پیداواری لاگت کوتشویشناک حد تک بڑھا دیا ہے جس کی وجہ سے کسان کواپنی اجناس کی بیرونی منڈیوں سے خاطر خواہ آمدنی نہیں مل پاتی۔مناسب حفاظتی اقدامات کا فقدان بھی ہماری برآمدات کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔منافع بخش زراعت کے لیے ٹیکنالوجی کی کسان تک فراہمی نہایت اہم ہے۔زرعی اجناس کومروجہ طریقوں سے ہٹ کر دیگر طریقوں سے یا مصنوعات کی شکل میں فروخت کرنا زیادہ فائدہ مند ہے۔

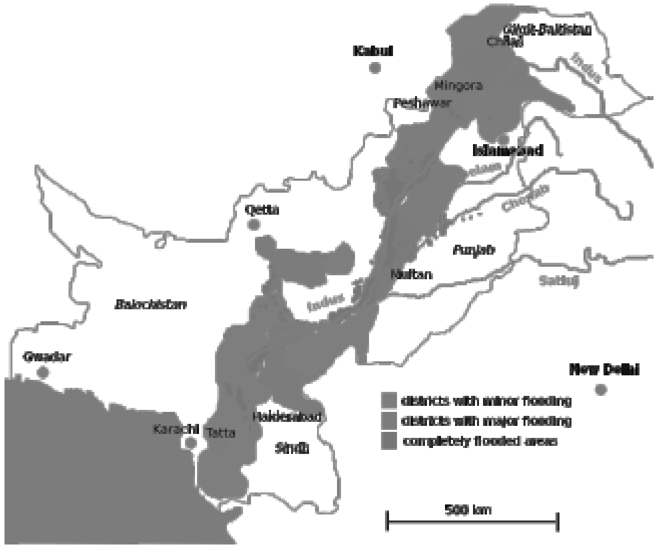
جدید ٹیکنالوجی میں جینیاتی طور پر تبدیل شدہ قسم ونسل (GMOs) کا صحیح الاستعمال مشینری اور رسد ورسائل کی ٹیکنالوجی (ICTs) موجودہ دور میں استعمال کی جارہی ہیں حالانکہ نئی ٹیکنالوجی متعارف کروانا مسلسل محنت اور سرمائے کی متقاضی ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں بین الاقوامی تعاون، سائنس، علم اور ٹیکنالوجی میں شراکت اور تبادلہ ازبس ضروری اقدام ہیں۔

ایک نئے نظام کوقائم کرنے کے لیے حکومتی پالیسی، سرمایہ کاری، اداروں کی اصلاحات اور قانونی اقدامات کوپیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ سرتاج عزیز کی سربراہی میں زرعی کمیٹی نے تقریباً 30 سال پہلے (88-1986) زراعت کے بارے میں ہمہ پہلو دستاویز تیار کی تھی۔اب یہ موزوں ترین وقت ہے کہ زرعی پالیسی ازسرِنو مرتب کی جائے اور ایک ایسا کمیشن تشکیل دیا جائے جومستقل بنیاد پر تھنک ٹینک کے طور پر کام کرے اور یہ کمیشن افسر شاہی مداخلت سے آزاد اور خودمختار ہو۔

تعارف (Introduction)

زراعت پاکستان میں رہنے والی بیشتر دیہی آبادی کو روزگار مہیا کرتی ہے یہ ہمارے ملک کی بنیادی اور کلیدی صنعت ہے۔ زراعت، دیہی ترقی، خوراک کی فراہمی اور غربت کی جڑیں مشترکہ ہیں۔زراعت یعنی فصلات، مویشی، مرغبانی ملک میں فراہمی خوراک کو یقینی بنانے والے بنیادی ستون ہیں۔ ملک کی معیشت میں زراعت کا حصہ 21 فیصد، ملازمتوں میں 44 فیصد اور روزگار میں 66 فیصد تک ہے۔ صنعتی پیداوار زراعت سے حاصل ہونے والے خام مال پر منحصر ہے اور 65 فیصد برآمدات بھی زراعت ہی کی مرہونِ منت ہیں۔

زرعی حوالے سے پاکستان بے مثال قسم کی خوبیوں والا خطہ ہے۔اس میں چار موسم، اونچی چوٹیاں، سطح مرتفع، جغرافیائی



مرکزیت، نہروں کا دوامی نظام اور علاقائی منڈیوں تک آسان رسائی اسے دیگر ممالک سے ممتاز کرتے ہیں۔مزید برآں یہ سرزمین مختلف النوع روایات اور رسوم کی آماجگاہ ہے، دست کاری اور خاندانی سینہ بہ سینہ علم کی روایت، وسیع تحقیق وترقی کا تانابانا اور دیہی آبادی کا بڑا حصہ کھیتی باڑی سے منسلک ہے۔ملک کا 22 ملین ہیکٹر قابل کاشت رقبہ ہے جس میں 19 ملین ہیکٹر آبپاش ہے جو 90 فیصد پیداوار کا حامل ہے۔زرعی ترقی پر نظر ڈالی جائے تو آزادی کے بعد سے گندم کی پیداوار میں 7 گنا، چاول 13 گنا، کماد (گنا) 8 گنا، مکئی 16 گنا، آلو 116 گنا، ترشاوہ پھلوں میں 191 گنا، آم 217 گنا، مرغبانی میں بیشمار گنا اضافہ ہوا ہے۔اس رشک آفریں پیداواری اضافے کے نتیجے میں آٹا کی ملیں 9 سے بڑھ کر 950، شوگر ملیں 2 سے بڑھ کر 82، چاول کے کارخانے 2 سے بڑھ کر 494، کپاس بیلنے کے کارخانے 14 سے بڑھ کر 1200، ٹیکسٹائل ملیں 2 سے بڑھ کر 521 ہوچکی ہیں جب کہ گھریلو مرغبانی صفر سے شروع ہوئی اور اب اربوں کی تعداد میں مرغ موجود ہیں اور اس سارے زرعی سیکٹر میں صنعتی پیداوار میں گراں قدر اضافہ ہوا اور لاکھوں لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر آئے۔

پانی، توانائی اور ماحول (Water, Energy and Environment)

خوراک وزراعت اور پانی وتوانائی باہم لازم ملزوم ہیں۔پاکستان کا زرعی نظام دریاؤں کے پانی کا مرہونِ منت ہے اور توانائی بھی زرعی ترقی میں کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ بلاشبہ پانی اور توانائی کی سب سے زیادہ کھپت زراعت میں ہوتی ہے یوں کہیئے کہ پانی اور توانائی میں سرمایہ کاری گویا زرعی شعبہ میں سرمایہ کاری ہے۔توانائی کی ضروریات اپنی جگہ پر لازم اور ضروری مگر پانی کی کم یابی ایک گھمبیر مسئلہ ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سرفہرست محدود آبی ذخائر بڑے ڈیموں کو بنانے میں حکومتی تذبذب اور لیت ولعل، پانی کی عددی اور معنوی قیمت اور حیثیت کے ادراک کا فقدان شامل ہیں۔پانی کا بے دریغ استعمال اور ضیاع اس قدرتی تحفے سے ملک کو محروم کرتا جارہا ہے۔ ہمارے پاس 145 ملین ایکڑ فٹ پانی بہہ رہا ہے۔15 ملین ایکڑ فٹ ذخیرہ کیا ہوا ہے اور 105 ملین ایکڑ فٹ نہروں میں ڈالا جارہا ہے اور اس میں صرف 61 ملین ایکڑ فٹ کسان کو میسر

ہے اوراس میں 50 ملین ایکڑ زمین سے حاصل ہونے والا پانی ہے۔صوبائی سطح پر پانی کی تقسیم میں پنجاب کوشدید خسارے کا سامنا ہے حالانکہ یہ صوبہ 80 فیصد زراعت کا مرکز ومنبع ہے۔صوبہ سندھ کے حصے کا پانی اَپر سندھ کے دائیں حصے کوسیراب کرتا ہے جبکہ بایاں حصہ بشمول زیریں سندھ پانی سے محروم چلا آرہا ہے۔سندھ طاس معاہدہ پر بھی درست طریقے سے عمل نہیں ہوااور اب اس معاہدے کوازسرنو ترتیب دینے کی ضرورت ہے کیونکہ پانی کی تقسیم میں زیرزمین پانی کی نکاسی جو ٹیوب ویل اورٹربائنوں سے جاری ہے کوملحوظِ خاطرنہیں رکھا گیا۔اس بات کی مضبوط شہادت موجود ہے کہ بھارتی پنجاب ہمارے حصے کا پانی جس کا نشیب اس طرف ہے نکال رہا ہے۔متذکرہ بالا معاہدے کے مطابق 30 ملین ایکڑ فٹ پانی جوسمندر میں ڈالا جارہا ہے۔اس میں سے 10 ملین ایکڑ فٹ جس سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ہماری بےنظمی اورکوتاہ بینی کی وجہ سے سمندر کی نذر ہوتا جارہا ہے۔

پانی کا بےجا استعمال اور جنگلات کی بےدریغ کٹائی نے بہت بڑے ماحولیاتی مسائل کوجنم دیا ہے۔پانی کی ترسیل کے علاقے (Watershed regions) پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا قیمتی پانی زمین کی بُردگی کا سبب بن کر ہمارے ڈیموں،نہروں کومٹی سے بھر رہا ہے۔بارش قدرت کی رحمت ہوتی ہے مگر ہم بارشی پانی کوسنبھال نہیں پاتے لہٰذا یہ سیلاب کی شکل اختیار کرکے ہماری بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔یہی پانی جب میدانی علاقوں میں پہنچتا ہے توزہریلی جھیلوں اورندی نالوں میں شامل ہوکر آلودگی کا سبب بنتا ہے۔بارش کے پانی کوجمع کرنے اورزیرزمین پانی کوازسرنو حیات وقوت بخشنے والی سائنس حکومت اور ماہرین کی توجہ کی طالب ہے۔

آبپاشی نظام (The Irrigation System)

ملک کا نہری آبپاشی نظام دنیا کا بہترین نظام ہے۔پانچ دریاؤں کی سرزمین کووارابندی کے مضبوط نظام کے ذریعے ترتیب دیا گیا تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فصلوں کی کاشت کی شرح بڑھتی گئی جس سے پانی کی طلب میں بھی اضافہ ہوتا گیا لیکن پانی کوذخیرہ کرنے کے لئے ڈیموں کی تعداد نہ بڑھائی جاسکی اور نتیجتاً زیرزمین پانی تیزی سے پمپ کیا جاتا رہا۔شومئی قسمت ڈیم جو ہماری زراعت میں شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں کوسیاست میں اُلجھا کرمتنازعہ بنادیا گیا۔پانی کا ذخیرہ کرنا اور اس کی مسلسل فراہمی کویقینی بنانا معاشی مسئلہ ہے نہ کہ سیاسی،ارباب اختیار پانی کے مسئلہ کوتکنیکی بنیادوں پر پرکھیں اورقوم اورملک کے مسائل پرایک شہری کی حیثیت سے نظرثانی کریں۔



پانچ فصلیں اوراُن کا تنوع (Five Crops and Diversification)

ہمارے ملک میں پانچ بڑی فصلیں اُگائی جاتی ہیں جن میں گندم،کپاس،چاول،مکئی اور گنا شامل ہیں۔موسم اورزمین کا تنوع مختلف قسم کی فصلوں کے لئے موزوں اورمناسب ہے۔ملکی معیشت اورسیاسی ترجیحات کے تناظر میں انہی پانچ فصلوں کواُگانے پر زوردیا جاتا تھا اور باقی ماندہ فصلوں کودرخوراعتنا نہیں سمجھا گیا مختلف النوع فصلوں میں چارے،روغن دار اجناس،پھل،سبزیات، دالیں،صنعتی فصلیں اوربیش قیمت متبادل چیزیں شامل ہیں۔مسلم لیگ (ن) نے 2013ء کے الیکشن میں اپنے منشور میں دیگر فصلوں کے ساتھ ساتھ نظرانداز کی جانے والی اجناس کواپنی ترجیحات میں شامل کیا تھا مگراس ضمن میں کوئی قابل قدر پیش رفت نظرنہیں آرہی کسانوں کومتذکرہ بالا پانچ فصلوں کوکاشت کرنے اورفروخت کرنے کوکہا گیا ہے خواہ انھیں کوئی آمدنی ہو یا نہ ہو۔

اے بسا آرزو کہ خاک شد

کینو،آم اور کھجور ہماری بیش قیمت برآمدات ہیں مگر کینو صرف مشرقِ وسطیٰ کی منڈیوں تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔یہ پھل زیادہ بیج اورداغدار چھلکے کی وجہ سے زیادہ پسند نہیں کیا جاتا حالانکہ کم بیجوں اورخوبصورت رنگت والا کینو بھی اس ملک میں پیدا کیا جارہا ہے جس کو برآمد کیا جانا چاہیے۔اسی طرح آم کی دشمن مکھی کوکنٹرول کرنے کے لیے ایک جامع حکمت عملی درکار ہے۔کھجور ہماری برآمدات میں سرفہرست ہے۔صوبہ سندھ اور بلوچستان کھجور کی پیداوار کا مرکز ہیں مگر زیادہ برآمدات کم آمدنی دینے والے بھارت کی منڈیوں تک محدود ہے۔دوسری اہم نقدآور برآمدات میں پیاز،مرچ،تربوز،حلال گوشت،کھالیں اور لکڑی کی مصنوعات شامل ہیں۔فصلات کا دائرہ وسیع کیا جاسکتا ہے اگرقدرے کم معروف فصلوں کواُگانے میں حکومت کچھ مراعات کا اعلان کرے خاص طور پر روغن دار اجناس پر توجہ دی جائے اورنئی فصلوں کوشامل کیا جاسکتا ہے اور کسان روایتی پانچ فصلوں کے علاوہ دیگر اجناس کی کاشت پر بھی تیار ہے بشرطیکہ پیداوار کی مناسب قیمت اورکھپت یقینی ہو۔2015ء میں کپاس کی فصل کی تباہی کی وجہ سے کسانوں نے سندھ اور پنجاب میں کماد (گنا) وسیع رقبہ پر کاشت کرلیا ہے۔سندھ میں مرچ کا رقبہ پہلے سے دوگنا ہوگیا ہے اب خطرہ ہے کہ کپاس کی طرح کماد (گنا) اورمرچ بھی رُل جائے گی۔آلو کا کاشتکار جس طرح خوار ہوا وہ بھی اب مکئی کی طرف راغب ہے (اور یہ بھی ایک کمزور سہارا ہے)۔





مال مویشی اور مرغبانی (Livestock and Poultry)

ہمارے کسان چھوٹے مالکان ہیں اور مویشی پالنے سے اُن کو گھر کے لیے دودھ اور گوشت بھی میسر آتا ہے اور اضافی آمدن بھی حاصل ہوتی ہے۔ مرغ بانی ملک کی دوسری بڑی صنعت ہے۔ دیہاتوں میں گھریلو سطح پر مرغیاں پالنا ہمارا شوق ہے اور غریب دیہاتی مرغی اور انڈے بیچ کر پیسے بھی کماتا ہے اور اپنی پروٹین کی کمی بھی پوری کرتا ہے۔

مویشی اور مرغی پالنا تھوڑے سرمائے سے ممکن ہے سوائے بھینسوں کے بڑے فارم جو تجارتی پیمانے پر جو بڑے شہروں کے قرب وجوار میں بنائے جاتے ہیں کچھ فارم ایسے ہیں جہاں غیر ملکی نسل کے جانوروں سے بھرپور دودھ حاصل کیا جاتا ہے اور بکریوں کے فارم جو قربانی کے موقع پر فروخت کئے جاتے ہیں۔ غریب کسان اور کھیت مزدور لاکھوں کی تعداد میں اس اہم پیشے سے کسی نہ کسی سطح پر منسلک ہیں اور اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہے ہیں۔ مویشیوں ورمرغیوں کے چارہ، ونڈا، کھل، چوکر، مصنوعی خوراک کی قیمتیں طلب کے حساب سے بڑھ جاتی ہیں جبکہ دودھ، گوشت، انڈہ وغیرہ کی قیمت پر ضلعی حکومت کا کنٹرول ہے اور اس سے لاگت زیادہ اور آمدن قلیل ہو جاتی ہے۔ موجودہ اعداد و شمار کے مطابق مویشی 77 ملین ہیں اور ان میں (گائے، بیل 41 ملین، بھینس 36 ملین)، چھوٹے مویشی 97 ملین جن میں 29 ملین بھیڑ اور 68 ملین بکریاں ہیں اس کے علاوہ پانچ ملین گھوڑے/گدھے/خچر اور ایک ملین کے قریب اُونٹ موجود ہیں دودھ کی پیداوار میں خود کفالت کے دعویٰ کے باوجود خشک دودھ کی درآمد بڑھتی جا رہی ہے۔

جانور معیاری خوراک سے محروم ہونے کی وجہ سے دودھ اور گوشت کی مقدور بھر پیداوار نہیں دے پا رہے ہیں۔ درآمد کردہ دودھ دینے والے جانور قلیل المدت حل ہے لہٰذا ہمیں لمبے عرصے کے لئے لائحہ عمل ترتیب دینا ہوگا۔ غیر معیاری اور ناکافی ویکسین کی وجہ سے جانور متعدی امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ مادہ تولید کا غیر معیاری ہونا اور مصنوعی تخم ریزی کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے جانوروں کی نسلوں میں بہتری نہیں آ رہی۔ چارے کی اچھی قسموں کا بیج میسر آ جائے تو ہمارے زمینی وسائل سے بہتر طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

مویشی پال کسانوں کے لئے دودھ اور اس سے بنی اشیاء اچھی نسل کے مادہ تولید سے لے کر چھوٹے بچوں کے لئے معیاری دودھ، ویکسین، پروٹین و وٹامنز آمیز ونڈا، خشک چارہ، محفوظ شُدہ سبز چارہ، کھالیں اور چمڑے کی منافع بخش منڈیوں کا فقدان ہے۔ کچے دودھ کی فروخت دیگر مسائل کے علاوہ انسانی صحت کے لیے مضرت رساں ہے۔

پولٹری کا شعبہ گزشتہ چند دہائیوں میں بتدریج ترقی پذیر ہے لیکن پھر بھی یہ کُلی طور پر درآمد کردہ نسل، ویکسین، معیاری اجزائے خوراک اور مرغن خوراک پر منحصر ہے۔ دیہی مرغبانی کی صنعت 25 فیصد انڈے (15 ارب) اور 15 فیصد (1 ارب ٹن) گوشت فراہم کر رہی ہے حالانکہ یہ گورنمنٹ کی پالیسیوں اور مراعات سے محروم ہے مرغبانی، بھیڑ بکریوں کا پالنا نہ صرف غربت میں کمی لا سکتا ہے بلکہ دیہاتی لوگوں کی عزتِ نفس کو قائم رکھنے اور خواتین کی استطاعتِ کار کو استعمال میں لا کر اپنی اور اپنے بچوں کی اچھی صحت میں اہم کردار ادا کرنے کی صلاحیت سے مالا مال صنعت ہے۔

جنگلات اور چراگاہ (Forestry and Range Management)

جنگلات کی بہت سی اقسام ہیں اور یہ دیہی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے ازحد مفید ہیں۔ پاکستان میں جنگلات 4.23 ملین ہیکٹر رقبہ پر محیط ہیں جو کل رقبہ کا صرف 4.8 فیصد ہیں۔ جنگلات کی کٹائی کی بڑی وجوہات میں نئی کالونیوں کا تعمیر ہونا، زرعی رقبہ میں اضافہ، ضرورت سے زیادہ چرائی، عالمی حدّت اور تفریح گاہوں کا فروغ شامل ہے۔ اس کی وجہ سے ملک میں صحرا زدگی، سیلاب میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور جنگلی حیات معدوم ہو رہی ہے۔ جنگلات کے موجودہ رقبہ کو سائنسی بنیادوں پر اُستوار کر کے لکڑی اور لکڑی کی مصنوعات کو بڑھا کر اُن کی درآمد کم کی جا سکتی ہے۔ چراگاہیں مخدوش حالت میں ہیں ان کا انتظام وانصرام نہ ہونے کے برابر اور ناجائز تجاوزات زوروں پر ہیں۔ چراگاہوں کا بڑا مسئلہ جانوروں کی زیادہ تعداد اور خطرناک حد تک چرائی ہے لہٰذا جنگلات اور چراگاہوں کی متواتر نگرانی اور معائنہ ہونا ناگزیر ہے۔ کسانوں کا فارمی شجر کاری میں حصہ لینا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے نرسریاں بنانی چاہئیں تاکہ کسانوں کو سستے اور صحت مند پودے مہیا کئے جا سکیں۔ سماجی جنگل کاری (سوشل فارسٹری) کو فروغ دینا بھی ضروری ہے تاکہ شہروں میں موجود خالی جگہوں اور ناقابلِ کاشت زمینوں پر درخت لگا کر ماحول کو آلودگی سے بچانے اور معقول آمدنی کا ذریعہ ثابت ہو سکیں۔

تربیت یافتہ عملہ جنگلات کی بڑھوتری اور انتظام کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ موجودہ عملہ متروک نظام کی پیداوار ہے جو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حکمتِ عملی بنانے سے نابلد ہے اس لئے اس جنگلات کی ترویج کے لئے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل افراد کو یہ ذمہ داری سونپنا وقت کا تقاضا ہے۔

ماہی پروری اور آبی حیات سائنس (Fisheries and Aquaculture)

سائنس برائے آبی حیات پاکستان میں ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے۔ آبی حیات کی پیداوار 2000ء سے لے کر 15-2014ء تک 10 سے 15 ہزار ٹن سے بڑھ کر بتدریج 0.134 ملین ٹن تک پہنچ گئی ہے۔ ہمارے پاس وسیع پانی کے ذخائر نہیں جن میں تازہ اور نمکین پانی موجود ہے اور فی الحال ان پانیوں میں بڑی مچھلیاں پیدا کی جا رہی ہیں ان کو مٹی کے تالابوں میں تھوڑی سی تگ ودو کے ساتھ پالا جا رہا ہے۔ مچھلی کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں مگر ان میں صرف 7 تازہ پانی کی اور دو بر فیلے پانی میں تجارتی پیمانے پر پالی جاتی ہیں۔ مچھلیوں کی مختلف اقسام پر ہونے والے تجربات جو دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں کیے گئے سے قابل قدر نتائج برآمد نہیں ہو سکے کیونکہ مچھلی کی پونگ تیار کرنے کے لئے تالاب اور دیگر لوازمات میسر نہیں ہیں۔ پنجاب،



سندھ اور خیبر پختونخوا میں بڑی مچھلی تازہ پانی کی سوغات سمجھی جاتی ہے اس کے علاوہ شمالی پہاڑوں میں ٹراؤٹ مچھلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے مگر یہ بہت کم مقدار میں پیدا کی جارہی ہے۔ حالانکہ یہ نہایت لذیذ اور حددرجہ پسند کی جاتی ہے

ماہی پروری اور آبی حیات کی ترقی میں دو بڑے مسئلے حائل ہیں مثلاً ایک اہم مچھلیوں کے پونگ کی کم یابی خاص طور پر صوبہ سندھ میں جہاں پونگ صوبہ پنجاب سے منگوا کر طلب کو پورا کیا جاتا ہے، دوسرا جنوب مشرقی ایشیا سے درآمد کردہ مچھلی اور پاکستان کے تالابوں میں پالی جانے والی مچھلی میں مقابلہ۔ مچھلی کے بعد از برداشت نقصانات کافی زیادہ ہیں جس کی وجوہات ناقص انتظام یا نامناسب ترسیل اور محفوظ کرنے کے لیے سہولتوں کی عدم دستیابی ہیں۔ مچھلی کی منڈیوں کو از سرِ نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ ماہی پروری کو زراعت اور حیوانات کے شعبوں کے ساتھ منسلک کر دینا چاہئے تا کہ اس پر اُٹھنے والے اخراجات کم کیے جاسکیں اس سے علاقے کی آب وہوا بھی صحت مند رہے گی۔ ماہی پروری جاروں میں شروع کرنی چاہیے تا کہ قدرتی آبی ذخائر (مثلاً دریا، چھوٹے ڈیم، تالاب اور تازہ پانی کی جھیلوں) سے حاصل ہونے والی مچھلی کے ساتھ شامل کر کے مجموعی پیداوا میں اضافہ ہوسکے۔

جامد پیداوار (Stagnant Yields)

ملکی زرعی پیداوار مسلسل انجماد اور تنزلی کا شکار ہے۔ گزشتہ پانچ سالوں میں قابلِ کاشت رقبہ 5% کم ہوا ہے (اس کی وجوہات زمینوں کا کاشتکاری کے لیے استعمال نہ ہونا، شہری آبادکاری، صحرازدگی، تھور، سیم اور کم آمدنی جیسے اُمور ہیں)

پیداوار میں جمود ایک حد تک چھوٹے کسان کی کمزور معاشی حالت پر منحصر ہے جس کی وجہ وہ سرمایہ لگانے اور نئی ٹیکنالوجی کو استعمال میں لانے سے قاصر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ 60 فیصد سے زیادہ زیرِ کاشت زمین اپنی صلاحیت سے کم پیداوار دے رہی ہے۔ ٹیکنالوجی کا براہ راست تعلق معاشی حالت سے ہے۔ ٹیکنالوجی کے استعمال میں مناسب مشینری کے درست استعمال کی صلاحیت، بیج، کھاد، زرعی ادوّیات، محنت یا ملازمت اور منڈیوں تک رسائی شامل ہیں۔ پیداواری جمود کی اور بھی وجوہات ہیں مثلاً جدید ٹیکنالوجی کے حصول میں مشکل اور منڈیوں کے نظام کی ابتری۔ مثال کے طور پر گزشتہ 23 سالوں میں کپاس کی پیداوار پر غور کیجئے۔

1992ء میں کپاس کی ریکارڈ پیداوار 12 ملین گانٹھیں اور اس کے بعد 2011ء میں 14 ملین گانٹھیں حاصل کی گئیں۔ اسی عرصے میں بھارت کی پیداوار 13 ملین گانٹھوں سے 36 ملین تک جا پہنچی۔ اہم وجوہات میں اچھے بیج کی دستیابی یعنی ہائبرڈ



اور مناسب بی ٹی جینیاتی ورائٹی تھی۔ اسی طرح کا تجزیہ دوسری بڑی فصلوں کے بارے میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ صرف مکئی کی پیداوار میں ہمارے ہاں بہتری نظر آتی ہے کیونکہ انٹرنیشنل کمپنیوں نے مکئی کا ہائبرڈ بیج استعمال کیا جس کی وجہ سے اس کی پیداوار بہتر ہوئی۔ نیچے دیئے گئے جدول میں پانچ بڑی فصلوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو 15 سالوں میں اس کی شرح فیصد تبدیلی کا مظہر ہے۔

فصل	رقبہ	پیداوار
گندم	0.86	3.44
چاول	1.94	4.02
مکئی	1.45	8.57
گنا	1.71	3.28
کپاس	1.35	0.32

اعلیٰ نسل کے بیج اور جدید ذرائع رسل ورسائل کو کماحقہ استعمال کرنے سے ہمارا کسان گریز کرتا ہے۔ سبز انقلاب کی منزل کا حصول ان دو اول الذکر ٹیکنالوجی کے مناسب اور بروقت استعمال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پہلے پہل سبز انقلاب چھوٹے قد والی اور کم کھاد طلب ورائٹیوں نے غلّہ میں موجود رکاوٹوں کو دور کیا، کپاس کی گرمی برداشت کرنے والی ورائٹی جو گندم کے بعد کاشت کی جاسکتی ہے کی وجہ سے نیا فصلات کا نظام وجود میں آیا جبکہ مرغبانی میں نئی نسل، خوراک اور ویکسین سے بہتری آئی اور موجودہ دور میں کنٹرول شیڈ بنانے کا رجحان بڑھ گیا ہے اور پولٹری کی مارکیٹ بھی منافع بخش ہوگئی ہے۔ دودھ اور گوشت میں ناکامی کی وجہ پرانی نسلوں کی بھیڑ، بکریاں، گائے، بھینس ہیں اُن کی صحت کا ناقص انتظام اور قلت خوراک ہے۔

دنیا میں اشیاء کی بہتات، بہتر ٹیکنالوجی سے صلاحیت کار کو بڑھانا اور دودھ، گوشت وغیرہ کو مختلف مصنوعات میں ڈھال کر فروخت کرنا شامل ہیں۔ ٹیکنالوجی کو بنانا اور پھیلانا جان جوکھوں کا کام ہے جس کے لئے مستقل مزاجی اور لگاتار کوشش درکار ہوتی ہے۔ حکومت کی طرف سے دی گئی مراعات وقتی آگ پر قابو پانے والی پالیسی کے مترادف ہے۔

ضروریات کی فراہمی (Input Supply)

کسان کی بڑی ضروریات بیج، کھا، ادوّیات اور مشینری ہیں جو کسان ان ضروریات کی فراہمی یقینی بنا لیتا ہے اسے ترقی پسند کاشتکار کہا جاتا ہے اور وہ متوازن پیداوار بھی حاصل کر لیتا ہے۔ضروری نہیں کہ ترقی پسند کاشتکار کوئی بڑا زمین دار ہی ہو بلکہ مزراع اور چھوٹا کسان بھی سہولیات سے فائدہ اُٹھا کر اچھی پیداوار حاصل کر سکتا ہے عام طور پر کاشتکاری کے بڑے عوامل ضرویات وسہولیات کی دستیابی اور اچھی پیداوار کا امتزاج ہوتے ہیں۔حکومت کی ذمہ داری ہے کہ بنیادی ضروتوں کو بروقت یقینی بنائے خواہ کاشتکار چھوٹا ہو یا بڑا۔ناقص اور غیر معیاری بیج کم پیداوار کا سب سے بڑا سبب ہے۔کھاد کی صنعتوں میں حکومت کی مداخلت سے ملے جُلے نتائج برآمد ہوئے ہیں زرعی ادویات پرائیویٹ سیکٹر کے پاس ہیں اس میں کوئی بڑا مسئلہ موجود نہیں جبکہ مشینری سے کماحقہ فائدہ حاصل نہیں کیا جارہا۔

زرعی سہولیات (Farm Services)

کسان کو مختلف سہولتیں فراہم کرنا ٹیکنالوجی کی لاگت اور منافع کے درمیان خلا کو کم کرنا ہے۔یہ ماڈل دنیا کے مختلف مما لک میں کامیاب ہے۔اس کے تحت کسان کو مختلف فصلوں کے لیے مخصوص علاقوں کے حوالے سے زرعی مشینری اور کھاد، بیج وغیرہ فراہم کرنا ہے۔اس میں کسان کو نقد رقم قرضہ کی شکل میں بھی دی جاسکتی ہے۔کسانوں کی باہمی تعاون کی انجمنیں بھی اس میں اپنا کردار ادا کرسکتی ہیں۔کاروباری لوگوں کو کاروبار شروع کرنے کے لیے قرضے اور قیمتوں میں رعایت دینے جیسے فائدے بھی دیئے جاسکتے ہیں اور ان سب کا مقصد چھوٹے کسان کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانا ہونا چاہیے۔

ٹھوس بنیاد زراعت اور ترسیل ٹیکنالوجی (Precision Agriculture and ICTs)

درمیانے درجے کے کسان اور ترقی پسند کسان کے مابین پیداواری خلا کو مخصوص زمینی خصوصیات کے مطابق ضروری اشیا سے پورا کیا جاسکتا ہے۔ٹھوس بنیاد زراعت ماحول دوست ہے اور اس میں صحیح صحیح مقدار کھاد اور بیج، پانی وغیرہ مناسب وقت پر استعمال کر کے پیداوار بڑھائی جاسکتی ہے اور فالتو اور غیر ضروری اخراجات کو بھی کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

اس سے زمین کی ساخت اور دیگر خصوصیات میں تغیر وتبدل کو جانچا جاسکتا ہے۔تحقیق کاروں نے ایسی سیڈ ڈرل اور کھاد اور ادویات بکھیرنے والی مشینیں بنائی ہیں جو کھیت میں جہاں اور جتنی ضرورت ہے کے اصول پر خود بخود عمل کرتی ہیں اور اس طرح 25 سے 50 فیصد بچت صرف اور صرف نائٹروجن کھاد میں ہوتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس طرح کی جدید



ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے کم سے کم لاگت میں اعلیٰ کارکردگی کے حصول کو ممکن بنایا جائے۔

زراعت میں فضائی مشین جن پر جدید کیمرے اور دوسرے آلات لگے ہوں جو تصاویر کے ذریعے فصل کی حالت، کھاد، سپرے کی ضرورت اور اس کے ٹھیک ٹھیک ہدف کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے آج کل موضوع بحث ہے۔یہ زرعی ڈرون کے تعارف کا زمانہ ہے۔جاپان اس تکنیک کو حساس آلات کی مدد سے تصادیر، نقشے اور شبیہیں بنا کر مصروف عمل ہے۔

بھارت نے اپنے ملک میں بنائی ہوئی زرعی مشینری سے اس ٹھوس بنیاد زراعت میں پیش رفت کر لی ہے۔پاکستان اس سلسلہ میں ابھی نیا ہے اور اس میدان میں کام کرنے کے لیے بنیادی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنانے میں سرگرداں ہے۔اس جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے آلاتِ کاشتکاری پر سنسرز بنانے اور لگانے کی کوشش کی جاری ہے جس کے ذریعے نہروں، زمین اور پیداوار کی درست اور بے لاگ تجزیہ کاری ممکن ہوسکے گی۔کچھ تدریسی اور تحقیقی ادارے اس ضمن میں کام کر رہے ہیں اور اس سے ہمارے کسان کو جدید کاشتکاری اپنانے کا موقع ملے گا۔

اس کے علاوہ اطلاعات وترسیلات ٹیکنالوجی کے ذریعے علم کا پھیلاؤ اور اچھی منصوبہ بندی کے لیے اعداد وشمار اور زمین پر مختلف فصلوں، باغات، لائیوسٹاک فارمز وغیرہ کی تفصیلات معلوم کی جاتی ہیں۔صوبہ پنجاب میں متعلقہ محکمہ (LRMIS) نے زمین کے متعلقہ ریکارڈ کو کمپیوٹر میں درج اور محفوظ کر لیا ہے۔سندھ بھی جلد اس کام کو مکمل کرلے گا اور دوسرے صوبوں کو بھی یہ تقلید کرنا ہوگی۔مستقبل میں اس ریکارڈ کی بنا پر قرضے کا حصول آسان ہونے کی توقع ہے۔

موسمیاتی تبدیلی (Climate Change)

موسمیاتی تبدیلی اور تغیر ایک حقیقی انقلابی صورت حال ہے۔پاکستان ایسے خطۂ ارض میں واقع ہے جو موسمی تبدیلیوں کے برے اثرات سے متاثر ہوسکتا ہے اور سوسائٹی پر اس کے دوررس اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ہمیں موسمی تبدیلیوں کے خطرناک اثرات سے بچنے کے لیے کارگر حکمت عملی وضع کرنی چاہیے۔خاص طور پر آنے والی تبدیلیوں پر نگاہ رکھنا اور ضروری اقدامات کرنا تاکہ فصلوں، جانوروں اور جنگلات کی پیداوار متاثر نہ ہو۔مزید براں ایسی تعلیم اور توسیع کا نظام بھی وضع کرنا ضروری ہے جس میں معاشرہ ان موسمیاتی تبدیلیوں سے متاثر نہ ہوسکے۔مثال کے طور پر فصلوں اور جانوروں کی ایسی قسمیں اور نسلیں تیار کی جائیں جو گرمی برداشت کرسکیں اور خشک سالی کا مقابلہ کرسکیں۔ماحولیاتی منظر تغیر پذیر ہے اور اس کے لیے نیا حسب ماحول زرعی نظام سامنے لانا ضروری ہے۔





پاکستان آلودگی پیدا کرنے والی گیسوں کے اخراج میں زیادہ حصہ تو نہیں ڈال رہا پھر بھی اگر موجودہ اخراج کو کم کرے تو کاربن کریڈٹ حاصل کرسکتا ہے۔ ہماری دھان کے کھڑے پانی میں اگائی ہوئی فصل میتھین گیس خارج کرتی ہے۔ ہمارے پاس 70 ملین بڑے مویشی اور 70 ملین ہی چھوٹے مویشی یعنی بھیڑ، بکریاں ہیں جبکہ مرغیاں کروڑوں، اربوں کی تعداد میں موجود ہیں اور ان سے پیدا ہونے والی میتھین گیس کو بائیو انرجی اور بائیو فرٹیلائزر بنانے میں استعمال کرنے کے علاوہ کاربن کریڈٹ بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

بائیوٹیکنالوجی اور جینیاتی طور پر تبدیل شدہ فصلات (Biotechnology & GM Crops)

فصلیں جو مختلف جینز کی مداخلت کے نتیجے میں سامنے آئی ہیں وہ بہت سی خصوصیات مثلاً جڑی بوٹیوں کی تلفی، کیڑے مکوڑوں اور وائرس کے خلاف قوت مدافعت رکھنے کے علاوہ زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھے جانے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ بی ٹی کپاس نے زرعی ادویات کے استعمال کو کم ضرور کیا ہے مگر بہت سی خرابیوں بھی در آئی ہیں جن کی وجہ سے کپاس کی پیداوار تنزلی کا شکار ہوئی ہے۔ بی ٹی کپاس کی خرابیوں کو پیش نظر رکھ کر ہمیں دیگر فصلات جو جی ایم ٹیکنالوجی کے ذریعے آنے والی ہیں سے محتاط اور خبردار رہنا ضروری ہے۔ بائیو کھادیں، بائیو انرجی اور ویکسین بھی ہماری توجہ کی طالب ہیں۔



کپاس میں کمی کی وجوہات میں کسی حد تک غیر موثر وفاقی ادارے مثال کے طور پر بائیو سیفٹی کمیشن اور تصدیق شدہ بیج کا ادارہ شامل ہیں۔ بائیوٹیکنالوجی کو استعمال میں لانے کے علاوہ ہمیں بیج کی صنعت کو ازسرنو تشکیل دینا ہوگا۔

قرضے اور امداد باہمی منصوبے (Credits and Cooperatives)

زراعت ایک کاروبار ہے اور ہر کاروبار کے لیے پیسے درکار ہوتے ہیں۔ کسان ہمیشہ سے قلاش رہا ہے اسے پیسوں کی ضرورت ہے۔ ملک کی مجموعی معاشی صورتحال میں زراعت کے نمایاں حصہ پر نظر ڈالیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسان کی ضروریات کا کبھی خیال نہیں رکھا گیا۔ اس خلا کو غیر سرکاری ادارے بھاری شرح سود کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔

امداد باہمی کے ادارے سرمایہ اور دوسری خدمات کسان کو پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ صوبہ پنجاب میں پنجاب کوآپریٹو بنک کی 136 شاخیں موجود ہیں مگر بے سود۔ ہمیں منڈیوں اور امداد باہمی کے اداروں کو فعال بنانا ہوگا تا کہ کسان کو بروقت قرضہ میسر آ سکے۔ منڈیوں میں اصلاح، کھیت سے منڈیوں تک ترسیل پر سرمایہ کاری، تنظیم سازی اور متفرق اشیا کی تیاری اور فروخت جیسے امور بھی توجہ طلب ہیں۔ پاک چائنہ اکنامک کوریڈور ایک سنہری موقع فراہم کر رہا ہے جس میں اسپیشل اکنامک زون جو خصوصی طور پر زراعت سے ملحقہ اشیا کے لیے بنائے جا رہے ہیں سے فائدہ اٹھانا ازبس ضروری ہے اس سے روزگار کے مواقع چھوٹی اور درمیانے درجے کی صنعتوں کا قیام اور سرمایہ کاری کے وسیع مواقع میسر آئیں گے۔

غربت میں کمی (Poverty Alleviation)

زرعی شعبہ میں ترقی غربت میں کمی کا باعث ہے اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی نسبت نمایاں کردار ادا کرتی ہے اور اس حقیقت میں کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ جان میلر جو IFPRI کا بانی ڈائریکٹر جنرل تھا، نے بھارت میں غربت اور زراعت کی ترقی کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے مطابق ایک دھائی میں ہونے والی صنعتی ترقی دیہاتوں میں غربت میں کمی لانے میں ناکام ہوگئی جبکہ زرعی ترقی کی وجہ سے معاشی حالت میں بہتری آئی، دیہاتوں میں کارخانے اور صنعتیں لگیں، گھر کے قریب ملازمت ملی، شہروں



بچوں میں غذائی خرابیاں (Malnutrition in Children)

ناقص غذا جس میں ضروری اجزائے خوراک کم ہوں پاکستان کے دیہاتوں میں عام ہے۔قومی خوراک کے سروے جو 2011ء میں کیا گیا کے مطابق 43.7 فیصد بچے منحنی جسم کے پیدا ہوتے ہیں، 15.1 فیصد دوران حمل وتولید ضائع ہوجاتے ہیں جبکہ 31.5 فیصد کم وزن کے پیدا ہوتے ہیں۔اس سروے کے مطابق بچوں میں بیان کردہ مسائل گذشتہ ایک عشرہ میں زیادہ ہوئے ہیں اور یہ مسائل دیہی علاقوں میں شہروں کی نسبت زیادہ ہیں۔بچوں میں 61.9 فیصد خون کی کمی کا شکار ہیں، 43.8 فیصد میں آئرن کی کمی، 39.2 فیصد میں زنک کی کمی اور 54 فیصد میں وٹامن اے کی کمی اور 40 فیصد میں وٹامن ڈی نا کافی رپورٹ ہوا ہے۔اس چھپی بھوک سے نپٹنے کے لیے غذائی حکمت عملی ترتیب دینے کی ضروری ہے۔سکول میں غذائی پروگرام شروع کرنا بھی ضروری ہے۔ بھنے ہوئے مکئی کے دانے اور لسی دوپہر کے وقت سکول میں بچوں کی دی جانی چاہیے تاکہ ان کی جسمانی ضروریات پوری ہوسکیں۔مزید براں گندم کے آٹے میں فولاد کی آمیزش کے لیے قانون بنایا جائے۔خوراک اور غذا کے متعلق مضامین کا سکول کے سلیبس میں شامل کرنا چاہیے تاکہ بڑے پیمانے پر شعور اجاگر ہوسکے اور صحت مند وتوانا نوجوان میسر آسکیں۔

دیہی ترقی اور کورین ماڈل (Rural Development and Korean Model)

پاکستان نے 1947ء اور جنوبی کوریا نے 1945ء میں آزادی حاصل کی اور دونوں ملکوں کی معیشت بہت کمزور اور زراعت پر مبنی تھی۔دونوں ملکوں نے تقریباً ایک ہی وقت میں ترقی کے سفر کا آغاز کیا تاہم کوریا نے قلیل مدت میں حیرت انگیز ترقی کی اور دیہی معیشت کو بہتر بنا کر کئی ممالک سے آگے نکل گیا جبکہ پاکستان ابھی رہ گزر میں ہے۔پاکستان میں دیہی ترقی میں حائل رکاوٹوں میں پالیسیوں میں تواتر کا نہ ہونا، دیہی علاقوں کی عوام میں کام کرنے کے جذبے نہ ابھارنا، متعلقہ محکموں کے مابین عدم تعاون وشراکت اور نوجوانوں کی تعلیم اور تربیت سے چشم پوشی شامل ہیں۔کوریا کی دیہی ترقی کے پیچھے ایک بڑی تحریک جسے "نیا گاؤں تحریک" کہتے ہیں کارفرما تھی اور یہ 1970ء کی دھائی میں کوریا کے صدر کی زیر قیادت شروع ہوئی۔اس تحریک کے نمایاں خدوخال یہ تھے۔

- ☆ سماجی بیداری
- ☆ اپنی مدد آپ





کی طرف نقل مکانی رُکی اور خوشحالی کے دور کا آغاز ہوا۔پنجاب حکومت کا زرعی پیکج اور پروگرام دیہی غربت میں نمایاں کمی کا پیش خیمہ دکھائی دیتا ہے اور اس کی روشن مثالوں میں دیہی رابطہ سڑکوں کی تعمیر اور مویشی منڈیوں کی ازسرنو تشکیل شامل ہیں۔

نقل مکانی (Migration)

زراعت اور دیہی دستکاریوں میں مستقل ملازمتوں کا فقدان ہے۔عورتوں کا کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹانا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ زرعی کھیتوں میں آمدنی وقتی بھی ہوتی ہے اور غیر مستقل بھی لہٰذا شہروں کی طرف نقل مکانی جاری ہے جس سے ہنرمند دیہاتی اور دیہی وسائل شہروں کی طرف منتقل ہورہے ہیں۔

غربت کی چکی میں پستی ہوئی بڑھتی ہوئی آبادی دیہات چھوڑ کر شہروں میں جائے پناہ ڈھونڈ رہی ہے مگر شہروں میں مخدوش روزگار دیکھ کر کراچی جیسے گنجان آباد شہر کے بے روزگار مکین جرائم کی دلدل میں جا پھنستے ہیں یا بھکاری بن کر سڑکوں اور چوراہوں پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

دیہاتوں میں بنیادی ضروریات کا فقدان ہے۔سکول، ہسپتال، کھیلوں کی گراؤنڈ وغیرہ کچھ بھی یا تو سرے سے موجود ہی نہیں یا پھر معیاری نہیں ہے۔ پینے کا صاف پانی، صفائی ستھرائی خیال وخواب ہیں۔ پنچائت کا نظام جو چھوٹے اختلافات اور جھگڑوں کو مقامی سطح پر حل کر لیتے تھے اب عنقا ہوگیا ہے۔انصاف کا عدم حصول بھی شہروں کی طرح منتقلی کا ایک بڑا سبب ہے۔

شہروں کی طرف نقل مکانی کی وجہ سے زرعی مزدوری مہنگی ہوگئی ہے کیونکہ شہروں کی آبادکاری اور کارخانوں کی وجہ سے لیبر کا رحجان کھیتی باڑی کی طرف نہیں رہا۔گورنمنٹ کو چھوٹی صنعتوں کے لیے دیہی نوجوانوں کو آسان اقساط پر قرضے دینے چاہئیں تاکہ وہ اپنے ہنر سے اچھا روزگار چلاسکیں۔

خاندان میں سے کچھ لوگوں کا شہر آباد ہوجانا زراعت کو فائدہ بھی دیتا ہے کیونکہ ان کا کمایا ہوا پیسہ زراعت کو بہتر بنانے میں استعمال ہونے لگتا ہے۔اسی طرح بیرون ملک کام کرنے والے لوگ بھی جب پیسہ پاکستان بھیجتے ہیں تو وہ بھی دیہی علاقوں میں خرچ ہوتا ہے۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ صحت مند طاقتور افراد کو کھیتی باڑی سے منسلک رکھنا ضروری ہے تاکہ بیرون ملک سے آنے والا پیسہ زراعت میں کام آتا رہے۔

☆ بنیادی دیہی ڈھانچے کی تشکیل

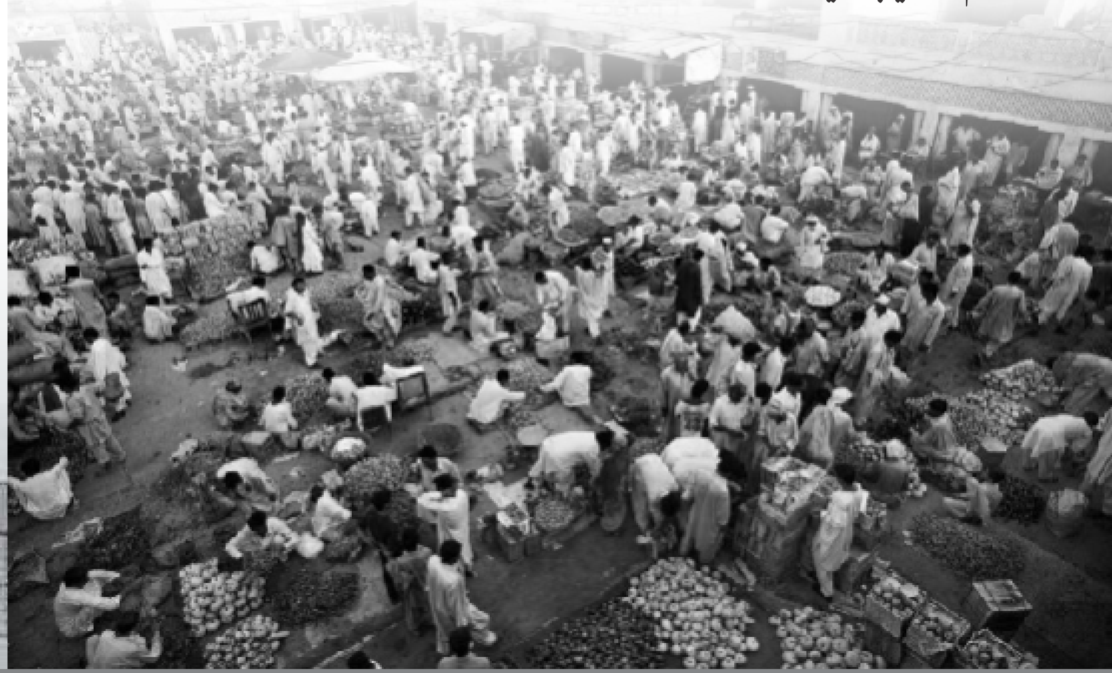
☆ ٹریننگ کے ذریعے قیادت کی تیاری

حکومت نے ابتدائی طور پر سیمنٹ اور لوہے کی تاریں فراہم کیں تاکہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت دیہاتوں میں بنیادی عمارتوں کے ڈھانچے کھڑے کریں۔ سخت ٹریننگ اور محنت اور گورنمنٹ کے تعاون سے یہ تحریک زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور دس سال کے عرصہ میں کوریا کے دیہاتوں کا نقشہ تبدیل ہوگیا اور اسے عرف عام میں ہن ریور معجزہ کہا جاتا ہے۔

دریائے سندھ کا معجزہ کب ہوگا؟ نوجوان دیہاتیوں کا کوئی پروگرام نظر نہیں آ رہا۔ اگرچہ پاکستان اور کوریا میں ثقافتی تفاوت موجود ہے مگر پھر بھی ہم کورین ماڈل سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ لوگوں کی سوچ وفکر میں مثبت تبدیلی کامیابی کی کلید ہے اور اس کے ساتھ ٹھوس سیاسی استقلال واستحکام سونے پر سہاگہ کا کام دے گا۔ دیہاتوں میں لوکل لیڈرشپ کھڑی ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر کوریا میں 20 گاؤں کے لیے 25 سے 30 جوان مردوں اور عورتوں کی کمیٹی تشکیل دی گئی جنہوں نے اس تحریک میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کسانوں کی امداد باہمی کی انجمنوں نے بھی اس ماڈل کو کامیاب بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ پاکستان میں بھی اس سے ملتا جلتا پروگرام شروع کرنا چاہیے۔

زرعی پیداوار کی خرید وفروخت (مارکیٹنگ) (Agricultural Marketing)

سب سے بڑا مسئلہ زرعی اجناس کو سٹور کرنے کی سہولت کا نہ ہونا یا قرضے کی جلد ادائیگی کرنے کے لیے اس کی اُونے پونے داموں فروخت ہے۔ گودام اور تجارتی مواقع اس مسئلہ کا حل ہیں۔ دوسرے امکانات میں اجناس میں متفرق اشیاء کا تیار کر کے بیچنا ہے۔ یہ ایک خاص جنس کے حوالے سے خاصے کی چیز ہے۔ باہم مل کر فروخت کرنا اور گودام میں سٹور کرنے سے اچھے دام حاصل کیے جاسکتے ہیں۔



عالمی مارکیٹ میں ہم زیادہ خرچ اور کم پیداوار کی وجہ سے مار کھا رہے ہیں۔ ہمارا کسان عالمی مارکیٹ میں مقابلے میں آنے سے قاصر ہے۔ حکومت کی دی جانے والی رعایت یعنی سبسڈی لاگت کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور لاگت مزید کم کی جاسکتی ہے۔ ان پٹس (زرعی مداخل) کے درست استعمال، بروقت کاشت، ٹیکنالوجی اور بعد از برداشت نقصانات کو کم کرنے سے کاشتکاری زمیندار کے لیے ضرور منافع بخش ہونی چاہیے تاکہ وہ اس میں لگا رہے اور اس کاروبار کو انڈسٹری اور دوسری خدمات کے مقابلے میں ہلکا نہ سمجھا جائے اور اسے رعائتوں وسہولتوں سے محروم نہ رکھا جائے۔

زرعی اجناس کی مارکیٹنگ میں سٹوریج کی سہولتوں کے فقدان اور ترسیل میں مشکلات، ناکافی درجہ بندی، قیمتوں میں عدم توازن جو کاشتکار اور گاہک میں پایا جاتا ہے اور درآمد کردہ سستی اشیاء کے مقابلے میں مقامی سطح پر پیدا ہونے والی مہنگی اشیاء بڑے نقصانات کا ذریعہ ہیں۔ اس ضمن میں حکومتی مداخلت منڈیوں کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حکومتی اقدامات درج ذیل ہوسکتے ہیں۔

1- زرعی اجناس کی پراسیسنگ کو شروع کرنا اور اس کو مسلسل جاری رکھنا

2- کسانوں کو سرمایہ فراہم کرنے پر توجہ

3- اجناس کی ذخیرہ کرنے کی سہولتوں کو بڑھانا اور بہتر بنانا

4- پیداوار کی فروخت سے پہلے متفرق اشیاء تیار کرنے کے لیے کسان کی تربیت

5- جنرل سیلز ٹیکس کا خاتمہ یا کم کرنا تاکہ زرعی اجناس کی لاگت کم ہو کر علاقائی اور عالمی منڈیوں میں مقابلے میں آسکے

6- کھیت سے منڈیوں تک رابطہ سڑکوں کی تعمیر

علاقائی تجارت (Regional Trade)

علاقائی تجارت ایک طاقتور سیاسی ہتھیار ہے اس کی کامیاب مثالوں میں NAFTA یورپی یونین کا قیام اور ایشیا پیسفک زرعی پالیسی (APAP) شامل ہیں۔ ہماری علاقائی تجارت میں تین اہم ممالک (بھارت، ایران اور چین) کے علاوہ بہت سے دیگر ممالک بھی شریک کار ہیں۔ پاکستان اور بھارت کے مابین تجارت آہستہ مگر لگاتار چل رہی ہے اگرچہ دونوں ملکوں میں کچھ بنیادی تنازعات سلگتے رہتے ہیں۔ فی الوقت باہمی تجارت کا حجم 3 ارب ڈالر ہے جو مستقبل میں اگر حالات سازگار رہیں تو 6 ارب ڈالر تک بڑھایا جاسکتا ہے۔





پاکستانی برآمدات جو 49.31 ملین ڈالر ہیں ان میں پھل، میوہ جات، سنگترے کے چھلکے اور خربوزے شامل ہیں۔ کپاس، اُون اور کپڑا کی تجارتی مالیت 26 ملین ڈالر اس کے علاوہ ہے جبکہ درآمدات میں 1.84 ارب ڈالر مالیت کی چینی اور اس کی مصنوعات، کپاس، ہاتھ سے بنا ریشہ دار کپڑا شامل ہیں۔ تجارت کے موجودہ حجم کے تناظر میں بھارت فائدے میں نظر آتا ہے۔

دونوں ملکوں کی باہمی تجارت کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں جن میں بھارت کی تصدیق کا لمبا اور سخت طریق کار خاص طور پر کپڑا اور سبزیوں کی برآمد نیز حوصلہ شکن اور دقیق محکمانہ اور عجیب وغریب درآمدی قوانین نافذ کرنے والے ادارے مثلاً برآمدات کی معائنہ کونسل، انڈین انسٹیٹیوٹ برائے بیرونی تجارت، کموڈٹی بورڈز، ایک سال کے لیے لائسنس، بارڈر پر گوداموں کی عدم دستیابی، شکایات کے ازالے کے لیے کوئی ادارہ موجود نہ ہونا ایسے مسائل جو باہمی تجارت کے فروغ میں سدِ سکندری کے مترادف ہیں۔

فی زمانہ پاکستان بہت سی زرعی اجناس کی مارکیٹنگ میں مقابلہ کی دوڑ میں شامل نہیں ہے۔ پاکستان نے وافر مقدار میں چاول، گندم اور گنا پیدا کیا ہے مگر اسے عالمی منڈی میں بڑے گھمبیر مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چاول اور گنا کو پانی بھی زیادہ درکار ہوتے ہیں اس لیے گندم اور چینی کی درآمد کے لیے حکومتی مراعات کی ضرورت ہے جبکہ کھانے کا تیل، دالیں، خشک دودھ کی درآمد بڑھتی جارہی ہے۔

حکومت کی طرف سے امدادی قیمت کے اعلان سے خوردنی تیل اور دالوں کی کاشت اور پیداوار بڑھنے کے امکانات ہیں اور اسی سے زرمبادلہ کی بھی بچت ہوگی۔ ملی جلی (Mixed) فصلوں کی کاشت ہمیں مارکیٹنگ کے زیادہ مواقع فراہم کرسکتا ہے۔ عالمی منڈی میں کسان کی پوزیشن مضبوط بنانے کے لیے جنرل سیلز ٹیکس سمیت دیگر ٹیکسوں میں کمی کرنا ضروری ہے تاکہ کسان کی پیداواری لاگت کم ہوسکے۔ مزید براں ریگولیٹری انتظامات کو مزید موثر بنایا جائے تاکہ پرچون فروخت کی حوصلہ شکنی ہوسکے۔

مالیاتی پالیسی (Fiscal Policy)

حکومت امدادی قیمتوں کے اطلاق سے مختلف اجناس سے قابل قدر منافع کو یقینی بنا سکتی ہے۔ اس امدادی قیمت سے



کسان خوشحال ہوسکتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ سوائے گندم کے تمام اجناس کی امدادی قیمت ختم کردی گئی ہے۔ جنرل سیلز ٹیکس میں اضافہ نے کھاد اور پٹرولیم کی مصنوعات مہنگی کردی ہیں جس سے کسان کی پیداواری لاگت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ انڈیا میں بجلی اور کھاد کی قیمتیں ہمارے ہاں سے کئی درجے کم ہیں لہٰذا شرح منافع بڑھانے کے لیے ہمیں امدادی قیمتوں کا جاری رکھنا اور دوسری مصنوعات کی قیمتوں پر سبسڈی دینا پڑے گی۔ انڈیا 25 سے زیادہ زرعی اجناس پر مستقل طور پر امدادی قیمتوں کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہمارے ہاں خشک دودھ کی درآمد پر کم ڈیوٹی نے ڈیری سیکٹر کو تباہ کردیا ہے۔ انڈیا اور پاکستان میں بجلی کی قیمت میں فرق ایک اور قابل توجہ پہلو ہے۔

اداروں میں اصلاحات (Institutional Reforms)

زراعت کی کارکردگی بہت سے سرکاری اور پرائیویٹ اداروں سے منسلک ہے اور ان اداروں میں آئینی اور انتظامی اصلاحات کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی تحریک اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں وفاقی اور صوبائی محکمہ جات ہیں۔ اٹھارویں ترمیم کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوچکی ہیں جن کی وجہ یہ ادارے جو پہلے ہی غیر تسلی بخش کام کررہے تھے بالکل ہی سفید ہاتھی کا روپ دھار گئے ہیں۔ سیڈ ایکٹ، پلانٹ بریڈرا ایکٹ، پیسٹی سائیڈ ایکٹ، فرٹیلائزرا ایکٹ، کواپریٹو ایکٹ، نیشنل بائیوسیفٹی کمیٹی قصہ پارینہ ہوچکے ہیں۔ آئینی ڈھانچے میں بے بہا بہتری کی گنجائش ہے۔

قومی اور بین الاقوامی تحقیقاتی اداروں کو ایک دوسرے کا دست و بازو بننا چاہیے تاکہ زراعت میں بہتری لائی جاسکے۔ بدقسمتی سے ہمارا قومی ادارہ (NARS) غیر فعال، اشتراک کار سے لبریز اور منقسم ہے۔ ملک میں وفاقی، صوبائی ادارے اور یونیورسٹیاں موجود ہیں جہاں پر حکومت نے بڑی سرمایہ کاری کرکے ان کو فعال بنایا ہوا ہے۔ ان اداروں کی کارکردگی گزشتہ کئی سالوں سے متاثر کن ہے مگر اوپر بیان کردہ جمود ان کی گزشتہ اور موجودہ کارکردگی پر سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ ملتان میں 60 میل کے رقبہ میں چھ زرعی یونیورسٹیاں اور کالج ہیں، دو بڑے صوبائی حکومت کے تحقیقی ادارے اور دو ہی وفاقی حکومت کے ادارے صرف دو فصلوں یعنی کپاس اور آم کے لیے کام کررہے ہیں۔

اٹھارویں آئینی ترمیم کی وجہ سے کچھ ادارے اپنی حیثیت کھو چکے ہیں۔ پاکستان فارسٹ کالج پشاور اپنی افادیت کھو چکا ہے اور کسی حد تک PARC بھی غیر فعال ہوچکی ہے۔ کچھ ادارے اپنے بنیادی منشور کے خلاف نبرد آزما ہیں مثال کے طور پر پاکستان آئل سیڈ ڈویلپمنٹ بورڈ مخالف سمت میں رواں دواں ہے۔

ایک بڑا کمیشن تشکیل پانا چاہیے جو کہ ایک مقررہ وقت میں آئینی اور انتظامی تبدیلیوں کے ساتھ ان اداروں کو دوبارہ فعال بنانے کے لیے سفارشات پیش کرے۔

عملی اقدامات کے لیے فورم کی ضرورت (Activism/Need For a Forum)

کسان اپنی روایتی سُست روی کا پیکر تھا مگر اب بدل چکا ہے۔ اب کسانوں کی تنظیمیں موجود ہیں جو معلومات سے لیس اور اپنے حق میں آواز بلند کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں میڈیا ان کی آواز سنتا ہے۔ کچھ سال قبل PEPCO کی طرف سے بھاری بجلی کے بلوں کے نتیجے میں ملتان میں احتجاج شروع ہوا۔ اوکاڑہ کے آلو کے کاشتکاروں نے بھی احتجاجی راستہ اختیار کیا اور مزارعوں نے بھی صدائے احتجاج بلند کی کسان اپنی آواز ایوانوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ حکومت کو چیمبر آف کامرس وانڈسٹریز کی طرح کسان تنظیموں کو بھی اہمیت دینی چاہیے اور ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے چاہئیں۔ وفاقی سطح پر ایک آزاد اور خودمختار کمیشن کا قیام عمل میں لانا چاہیے جو کسانوں کے جائز مطالبات پر عملدرآمد کروائے۔

پنجاب زرعی کانفرنس (The Punjab Agriculture Conference)

پنجاب زرعی کانفرنس 19 مارچ 2016ء کو لاہور میں منعقد ہوئی جس میں وزیر اعلیٰ پنجاب نے خطاب کیا۔ انہوں نے اگلے دو سالوں کے لیے کسانوں کے لیے 200 ارب روپے کے زرعی پیکج کا اعلان کیا۔ انہوں نے ایک زرعی کمیشن بنانے کا بھی اعلان کیا جس کے سربراہ وہ خود ہوں گے۔ ملک کے تمام بڑے اخباروں نے اس کانفرنس کے حوالے سے اداراتی نوٹ لکھے اور وزیر اعلیٰ نے ایک مضمون بھی اخبارات میں لکھا ہے۔

پنجاب زرعی کانفرنس کا ایجنڈا بڑی غور وفکر کے بعد تیار کیا گیا تھا جس کو تمام متعلقہ محکموں اور افراد نے سراہا ہے۔ کانفرنس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور ان کا جوش وجذبہ دیدنی تھا۔ اس کے بعد ضلعی سطح پر کسان کنونشن منعقد کیے گئے تا کہ زرعی کانفرنس کے فیصلوں پر عمل درآمد شروع کیا جا سکے۔ راقم نے خود اس قسم کے تین ضلعی کنونشنز میں شرکت کی ہے۔ خواہشات اور مطالبات کی لسٹ لمبی ہے اور ان میں سے 100 سے زیادہ پر عملدرآمد ممکن ہے۔ درج ذیل بڑے مسائل ہیں۔

1- پیداواری لاگت میں کمی
2- اعلیٰ درجہ کے بیج کی فراہمی
3- زرعی مارکیٹنگ میں اصلاحات
4- امدادِ باہمی انجمنوں کی تجدید

درج بالا معاملات میں پائیدار حکمت عملی اور مالی معاونت زراعت کو منافع بخش بنا سکتی ہے۔ اپنے اخباری مضمون میں وزیر اعلیٰ نے کئی نکات اٹھائے جن پر غور وغوض کی ضرورت ہے ان میں پیداوار بڑھانے کا ایجنڈا، دیہی معیشت کی بہتری، منڈیوں میں عالمی جھکاؤ، جامد پیداوار، تحقیق اور ٹیکنالوجی کو منطبق کر کے کسانوں تک پہنچانا، کھیتوں میں موجود وسائل کا درست استعمال، منڈیوں تک رسائی، خرید وفروخت میں تسلسل، زمین کا ریکارڈ اور بین الاقوامی رابطے شامل ہیں۔

وزیر اعظم کا کسان پیکج (Prime Minister's Vision Package)

وفاقی حکومت نے 2015ء کے ربیع موسم کے آغاز سے قبل 341 ارب روپے کے کسان پیکج کا اعلان کیا۔ پاکستان



منصوبہ بندی کمیشن نے 2025ء کے منشور یا ٹارگٹ کا عندیہ دیا ہے جس کے مطابق ملک کی برآمدات کو بڑھایا جائے گا اور برآمدات زیادہ تر زراعت سے منسلک ہی ہوتی ہیں۔

کسان پیکج کے مطابق 12.5 ایکڑ تک کے کپاس اور چاول اگانے والے کسانوں کو کھاد اور پیسٹی سائیڈ میں سود یعنی مارک اَپ میں رعایت دی جائے گی اور جنرل سیلز ٹیکس میں بھی چھوٹ دی جائے گی۔ اس پیکج کے متعلق کسانوں کا ردِعمل ملا جلا سا ہے۔ بہتر یہ تھا کہ کھاد کی قیمتوں میں کمی کر کے نائٹروجن اور فاسفورس کھادوں کی سپلائی کو یقینی بنایا جاتا۔ اس سے فاسفورس گندم کی فصل کو وافر مقدار میں میسر آتی اور گندم کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا۔

مستقبل کا لائحہ عمل (Way Forward)

1- 18 ویں ترمیم کے بعد حکومت کی زرعی شعبہ میں سرمایہ کاری کا تجزیہ کرنا
2- وفاقی اور صوبائی سطحوں پر اداروں کی از سرِ نو تشکیل و ترتیب کرنا
3- جن معاملات پر قانون موجود نہیں وہاں قانون سازی کی جائے اور جو قانون متروک ہو چکے ہیں ان کی جگہ نئے بنائے جائیں
4- مالیاتی اقدامات: 2015ء کے کسان پیکج پر نظر ثانی، جنرل سیلز ٹیکس، (GIDS)، خشک دودھ پر درآمدی ڈیوٹی، بجلی کے بل، فارم انشورنس، انکم ٹیکس، EDF اور برآمدات میں رعایت
5- ایک مستقل زرعی کمیشن جو زیرک اور فطین افراد پر مشتمل ہو بنایا جائے اور اسے بیوروکریسی کی مداخلت سے پاک رکھا جائے
6- منڈیوں میں اصلاحات خاص طور پر مارکیٹ ایڈمنسٹریٹرز سے چھٹکارا دلایا جائے اور آڑھتیوں کا عمل دخل روکا جائے
7- کچے دودھ کی فروخت پر پابندی لگنی چاہیے
8- تیل دار اجناس اور دوسری کم رقبہ پر کاشت ہونے والی فصلوں کی قیمت مقرر کی جائے اور ان پر امدادی قیمت بھی دی جانی چاہیے
9- بارش کے پانی کو ذخیرہ کرنے اور زمینی پانی کو ریچارج کرنے کے لیے حوصلہ افزا اقدامات کیے جائیں
10- علاقائی سطح پر تجارتی پالیسی وضع کی جائے جیسے APAP، EU، NAFTA وغیرہ ہیں



11- زرعی تحقیق کو ترجیح دی جائے اور کمیشنڈ ریسرچ پروگرام کے لیے سرمایہ مہیا کیا جائے

12- زرعی زمین کی شہری منصوبوں میں منتقلی پر پالیسی وضع کی جائے

13- سکول میں غذائی پروگرام کا آغاز (آٹے میں آئرن ملایا جائے)

14- سیڈ سیکٹر میں بہتری لائی جائے

15- فارم مشینری کے پرانے کارآمد حصوں کو کسی دوسری مشین میں دوبارہ استعمال (Reverse Engineering) کرنے کو فروغ دیا جائے

16- سروس سنٹرز کا قیام عمل میں لایا جائے

17- امدادِ باہمی کی انجمنوں کی تشکیل نو اور مختلف سہولتوں کی فراہمی یقینی بنائی جائے

18- چاول کی کاشت میں کمی اور کاربن کریڈٹ کا اجرا (COP 21) کیا جائے

19- ہنرمندی سے متفرق اشیاء کو فروغ اور درمیانے و چھوٹے کاروبار کا اجرا ممکن بنایا جائے

20- اپنے ذاتی کاروبار شروع کرنے کے لیے چھوٹے قرضے دیئے جائیں

21- کمیشنڈ ریسرچ کے درج ذیل ایریاز میں گرانٹ دی جائے۔

a- منہ کھر کے لیے ویکسین کی تیاری

b- بیج کی پیداوار اور چارے، سبزیات، چنے اور سویابین کے بیج حاصل کرنے کے لیے ضروری ٹیکنالوجی

c- گندم اور کپاس کی نئی اقسام کی دریافت جو مشکل موسمی حالات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں

d- سخت گرم موسم کو برداشت کرنے والے جانور اور مرغیاں

e- کیڑوں کے تدارک کے طریقے جن سے پھل کی مکھی، جوئیں اور گلابی سنڈی پر قابو پایا جا سکے۔

f- درختوں کے سوکے پر کنٹرول

g- غذا اور خوراک کی تازگی اور غذائیت کو یقینی بنانا اور اس میں بہتری لانا

h- کھیت/کاشتکاری کے طریقوں کو بذریعہ مشینری سرانجام دینا (زمین کی تیاری سے لے کر کٹائی کے بعد تک) تکنیکی مہارتوں کو بروئے کار لا کر پاکستان کے کھیتوں کی حالت بہتر بنانا

i- دودھ اور پھلوں/سبزیوں/پھولوں کی قوت نمو کو بڑھانا اور اپنی مدد آپ کے تحت ان کی فروخت کرنا

j- زراعت اور خوراک کے موجودہ نظام کو جدید معلومات اور تحقیق سے منسلک کرنے کی ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنا

k- درج ذیل عنوانات پر پالیسی پیپرز تلاش کرنا:

آبپاشی کی قیمت، مارکیٹنگ کا نظام، جانوروں کی خوراک، ریگولیٹری نظام برائے زراعت (سیڈ کی تصدیق و رجسٹریشن، بائیوسیفٹی، SPS پر عمل کرنا)، آٹے میں طاقتور وٹامن اور منرل کا ملانا اور گندم کی خریداری کو یقینی بنانا اور اس کو صحیح جگہ پر سٹور کرنا۔

